8U
I

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LAHORE

Book No. ۸۱۱۰۶۶طے
Auth. No. اقخ - ۱
Acc. No ۱۰۲۱

Rs. 3/=

17 AUG 1971

LIBRARY
IQBAL ACADEMY, KARACHI.
1041
Book No [redacted]

[redacted]

اقبال ریزے

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ؒ کے افکارِ عالیہ کے چند انتخابات

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

مرتبہ

انعام اللہ خاں، بی اے، بی ال،

انڈیا بک ہاؤس حیدرآباد دکن

LIBRARY
IQBAL ACADEMY, KARACHI.
1041
Book No [redacted]

مکتبہ نشاۃ ثانیہ
جاہی مارکٹ حیدرآباد ۱۰۵

طبع اوّل .... دسمبر ۱۹۴۵ء

طبع دوم .... اپریل ۱۹۴۶ء

مطبوعہ

[redacted] مطبع برقی اعظم جاہی

قیمت ۱۴/ عہ

طارق اسد اللہ کے نام

جس کلی کو باغبانِ اصلی نے دنیاوی زندگی کے
چوتھے مہینہ ہی چُن لیا،
۲۴۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میرے لئے یادگار رہیگا کہ اُسی شب میں نے
اپنے معصوم طارق کو "سفرِ ملک عدم مبارک" کہتے ہوئے
سپردِ خاک کیا۔

انعام

LIBRARY
1041
IQBAL ACADEMY, KARACHI.
Book N [redacted]

یہ ۱۹۲۹ء کی بات ہے:۔

میں ابھی اسکول میں پڑھتا تھا کہ مولانا محمد علیؒ رنگون تشریف لائے۔ مولانا کا نام سنا تھا۔ نہ انھیں دیکھا تھا نہ تقریر سنی تھی۔ رنگون میں مسلم طلبا، کی ایک انجمن تھی نام تھا مسلم اسٹوڈنٹس سوسائٹی۔ مولانا نے ازراہِ عنایت طلبا کو خطاب فرمانا منظور فرمایا یہ پہلا موقعہ تھا کہ مولانا کو قریب سے دیکھیں اور ان کے افکار عالیہ سے مستفید ہوں۔ اپنی سحر بیانی میں مولانا نے کیا کچھ فرمایا اسوقت تو یاد نہیں ہاں ایک بات یاد ہے۔ یہ اسی وقت دلنشین ہوگئی تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے پیارے بچو اور بھائیو کیا تم نے اقبال کا نام سنا! ہاں ضرور سنا ہوگا۔ وہی مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا والا اقبال۔ ارے ہاں تو صرف تم نے ان کا نام سنا یا ان کا کلام بھی پڑھا اور اگر پڑھا تو رسماً یا شوقاً پڑھا یا سمجھکر۔ مجھے لاہور میں رہنے والے اقبال سے تم کو آگاہ نہیں کرنا بلکہ زندیق کو مسلمان بنانے والے، خاکساروں کو فلکسا ز بنانیوالے، قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانیوالے اقبال سے، اس اقبال سے جو خودی کا درس دیتا ہے، جو خودداری و بیباکی کی تعلیم دیتا ہے جو خود آگاہی کا سبق سکھاتا ہے جو مستی کردار کی تبلیغ کرتا ہے جو ناخوب سے خوب کو جدا کرتا ہے جو امید کا پیامبر ہے جسے ظلمتِ شب میں بھی کرن امید نظر آتی ہے میرے پیارے بچو! بھائیو تم اس اقبال کو پڑھو اور بار بار پڑھو اور سمجھکر پڑھو، اگر تم نے اقبال کے پیام کو اپنا لیا تو تم بھی وہ مردِ مومن

بن جاؤگے جو آسمانوں پر بھی کمند پھینکتا ہے، جس کیلئے عرصۂ عرش بریں "نہ یک گام" بن جاتا ہے جس کے زورِ ایمان کے آگے آتشِ نمرود بھی انداز گلستاں پیدا کرتی ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اقبال کو پڑھو اور سمجھ کر پڑھو اور پڑھکر اس کی روح کو اپنے اندر سمو لینے کی کوشش کرو

مولٰنا کی بات سینے میں اتر گئی یہ "مختصر انتخاب" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اگر یہ انتخاب ہمارے نوجوانوں میں اقبال کو پڑھنے اور سمجھنے کا ذوق بڑھانے میں کامیاب ہو تو میری محنت بیکار نہ جائیگی۔ اس انتخاب کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس سے ہمارے نوجوانوں کی تشنگیٔ اقبال بڑھے۔ یہ انتخاب اسی نام سے لیکن بدرجہا مختصر شکل میں پہلی بار کتب خانۂ قائد ملت (حیدرآباد دکن) کے جواں سال معتمد برادرم بہاء الدین سلیم صدیقی نے مجھ سے مرتب کرواکر شائع کیا تھا یہاں چند احباب نے اسے دیکھا اور اس انتخاب کی موجودہ شکل ان کے تقاضائے پیہم کا نتیجہ ہے۔ کتب خانوں کی توسط سے زیادہ سے زیادہ اسکی اشاعت کرکے فکرِ اقبال کو عام کرنے میں ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ اس سے دریغ نہ کریں گے۔ آخیر میں میں اپنے رفیق و شفیق بھائی انوار (مہتمم انڈیا بک ہاؤس) کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض جانتا ہوں جنکی رفاقت محبت، محنت کے بغیر یہ انتخاب اس مرصع شکل میں شائع نہ ہو سکتا تھا۔

انعام اللہ - کلکتہ -

خودی

خودی کا سرِّ نہاں لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ
خودی ہے تیغِ فساں لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ
یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ

خودی

اقبال نے فلسفہ خودی کو جس طرح اجاگر کیا وہ انھیں کا حصہ ہے۔ علامہ کے نزدیک جذبہ خودی ہی زندگی کا اصل محرک ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جس سے انفرادی اور قومی "شخصیت" استحکام پاتی ہے۔ خودی اپنے نمو کے لئے انسان کے اندر نئی نئی صلاحیت اور توانائی پیدا کر دیتی ہے۔ اسکی قوتوں کا حساب نہیں، اس کے امکانات کا شمار نہیں ؎

خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات خودی کیا ہے؟ بیداریِ کائنات

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

جذبہ خودی انسان کو عمل پیہم اور کوشش مسلسل پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ انسان کے قوائے خاموش کو ابھارتا ہے یہ ہماری صلاحیت خفتہ کو بیدار کرتا ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی اور مغربی حکما کے فلسفہ "انا" (Ego) میں بیّن فرق یہ ہے کہ فلسفہ "ایگو" کا منتہا اپنی ذات ہے، اپنی تعریف و توصیف کرتے کرتے انسان کبر و نخوت کا مجسمہ بن کے رہ جاتا ہے "ایگو" انسان

کو اپنی ذات کو موثر بنانے میں مدد ضرور دیتی ہے۔ لیکن اس کی خود غرضی اس کے اثر کو دیرپا نہیں رہنے دیتی۔ اقبال کا فلسفہ خودی اپنی وسعتوں میں ساری کائنات کو دامن میں لے لیتا ہے۔ وہ انسان کو انسان کامل بنانے میں مدد دیتا ہے، وہ انسان کو دوسروں کے لئے باعث خیر و برکت بناتا ہے۔

خودی انسان کو سفر پیہم پر اکساتی رہتی ہے۔ وہ انسان کو ہر منزل کے بعد نئی منزل کی تلاش میں آگے بڑھاتی ہے۔ خودی ہمارے نصب العین کو بلند سے بلند تر کرتی جاتی ہے اور ہمیں اپنی صلاحیتوں سے آشنا کرتی ہوئی ہمیں شاہراہ ترقی پر گامزن کرتی جاتی ہے۔

۴۲۵۸

خودی کی یہ ہے منزلِ اوّلیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیرِ مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسمان اسکا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود
ہر ایک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیٔ فکر و کردار کا

تعمیرِ خودی کر

سمجھے گا زمانہ تِری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحرِ تخیّل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تِری آنکھوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ

جوہرِ زندگی

جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیِ نیام ابھی

حکیمی نا مسلمانی خودی کی
کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

اِنتباہ

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

خدا کا ترجمان

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

زورِ خودی

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگ و بو کا راز پا جا
برنگِ بحر ساحل آشنا رہ
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیٰ!
خودی کی خلوتوں میں کبریائیٰ!
زمین و آسماں و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائیٰ!

ناپختہ خودی

اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر
گردشِ دوراں کا ہے جسکی زباں پر گلہ

روحِ اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی نارِ خودی
زندگانی کے لئے نارِ خودی نور و حضور!
یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصلِ نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور

طاقتِ خودی

زندگانی ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

جوہرِ خودی کی نمود

وجود کیا ہے؟ فقط جوہرِ خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سُرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خودی

نہ مَیں عجمی، نہ ہندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے مَیں نے سیکھی دو جہاں سے بے نیازی

خودی کی تربیّت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز!
یہی ہے سرِّ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیبؑ و شبانیِ شب و روز!

خودی کی بیداری

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بُرّندہ و بُرّاق!
اس کی نگہِ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرّہ میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق!
اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھکو
تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق!
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب
وہ پاکیِٔ فطرت سے ہوا محرمِ اعماق!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر!
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر!
نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

خودی کی موت

خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام!
خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب و تاب
بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام!
خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام!
خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام!

(۲)

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

خودی و خانقاہ

ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقہوں سے
اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا!

تقویمِ خودی

بے اشکِ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارِ جو!

تقلید و خودی

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

اثرِ خودی

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

علاجِ ناامیدی

خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو   کہ اسکا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو!

ذوق نظر

خودی بلند تھی اُس خوں گرفتہ چینی کی
کہا غریب نے جلاد سے دم تعزیر
ٹھہر ٹھہر کہ بہت دلکشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکیٔ شمشیر

اغیار کی گدائی

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

حریم وجود

تری خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوزِ ثبات!
حریم تیرا خودی غیر کی! معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات!

خودی کی حفاظت

اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ
ہوئی ہے زیرِ فلک امتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ

خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس آبجو سے کئے بحرِ بیکراں پیدا!

خودی سے لاپروائی کی سزا

اسکی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف!
فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!

فلسفۂ خودی

خودی ہے زندہ تو ہے موت ک مقامِ حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات
خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیشِ نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات
حریمِ ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ تیرہ خاکِ لحد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات!

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذّتِ نیاز نہیں

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں!
خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلۂ مردِ ہیچ کارہ نہیں!

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی!
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی!

حفظِ خودی

گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

تمنّائے سروری

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے؟

تعمیرِ خودی

بے ذوقِ نمود زندگی موت
تعمیرِ خودی میں ہے خدائی!
رائی زورِ خودی سے پربت
پربت ضعفِ خودی سے رائی!

تو اپنی خودی کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شئے کی جستجو کر!

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

خودی
کو،
کر بلند اِتنا!
کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا
بندے سے
خود پوچھے،
بتا! تیری رضا کیا ہے؟

باب مومن

مرد مومن اقبال کے یہاں انسان کامل ہے۔ اقبال کا مرد مومن نٹشے کے فوق البشر سے جدا ہے۔ یہ صرف قوت کا ہی مالک نہیں بلکہ ایمان کی روشنی سے بھی اس کا دل منور ہے۔ نٹشے کے "فوق البشر" کے خلاف اقبال کا مرد مومن لا تک ہی اپنی دنیا کو محدود نہیں رکھتا۔ وہ لا کے ساتھ الا کا بھی قائل ہے۔ اقبال کا مرد مومن اعلیٰ انسانی صفات کا حامل ہے۔ وہ اخلاق کا پتلا ہے، اس میں جلالی و جمالی دونوں اوصاف موجود ہیں۔ وہ کائنات ہستی کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ وہ دنیا میں اپنے خالق کا خلیفہ بن کر رہتا ہے۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک!

مومن کے جہان کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

مقام مومن

اس کا مقامِ بلند، اس کا خیالِ عظیم
اس کا سرور، اس کا شوق، اس کا نیاز، اسکا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکار حق مردِ خدا کا یقین

اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لاالٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لاالٰہ

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سِرِّ کلیم و خلیل

شانِ مومن

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن!
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن!

نگاہِ مردِ مومن

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں!
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں!

منزلِ مومن

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلمانکی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے!
مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے!

مردِ مومن کی فطرت

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

امامتِ انام

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے
لذّتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی

مردِ حق

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لاالٰہ میں ہے

مومن کی زندگی

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمالِ جنون!
طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثالِ زمانہ گوناگوں !
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ و افسوں!
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطوں!
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ دروں!

مردِ مومن

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان !
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان !
ہمسایہ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشان !
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن !

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان!

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!

کافر و مومن

(۱)

صیّاد ہے کافر کا، نخچیر ہے مومن کا
یہ دَیرِ کہن یعنی بُت خانۂ رنگ و بو!

(۲)

کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی!

---

(۳)

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

بابِ فقر

اقبال کا مرد مومن خودداری، بے خوفی، بے نیازی و استغنا کا مجسمہ ہے۔ یہ اس کے سیرت کے اہم اجزا ہیں۔ ان ہی اعلیٰ اوصاف کو اقبال فقر سے تعبیر کرتا ہے۔ اقبال بار بار اس اسلامی فقر کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے کہ اس کی حفاظت میں ہی ہماری اقبال مندی ہے۔ اس شان بے نیازی سے اس میں وہ جرأت و قوت شمشیری پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی لالچ اسے اپنا شکار نہیں کر سکتی۔

فقر

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے، پاکیِٔ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے، عفتِ قلب و نگاہ

علم فقیہہ و حکیم فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئنۂ مہر و ماہ

فقرِ غیور

اگرچہ زر بھی ہے جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسّر تونگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ا ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں!

فقرِ اسلامی

اِک فقر سکھاتا ہے صیّاد کو نخچیری
اِک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اِک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اِک فقر سے مٹّی میں خاصیتِ اکسیری
اِک فقر ہے شبّیری اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری!

فقرِ غیور و قلبِ سلیم

نقر جنگاہ میں بے سازِ و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم!
اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بیتابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون و کلیم!
اب ترا دور بھی آنیکو ہے اے فقرِ غیور
کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر و سیم!

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے "فقرِ غیور"

صدائے قلندر

کہتا ہے زمانے سے یہ درویشِ جوانمرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی ادھر جا!

ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بنگاہِ قلندر سے گذر جا!

میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا!

توڑا نہیں جادو میری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا!

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر!
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر!

شانِ قلندری

دمِ زندگی، رمِ زندگی، غمِ زندگی، سمِ زندگی
غمِ رم نہ کر، سمِ غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری!

طریقِ قلندری

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق!

فقرِ خام

جو فقر ہوا تلخیٔ دوراں کا گِلہ مند
اس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی!

فقر و سلطانی

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظلِ سبحانی
یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھکو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

فقر و سلطنت

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی

درویش کا گھر

درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

حیف!

(۱)

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ!

(۲)

اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دلِ شیراں ہو جس فقر کی دستاویز!

(۳)

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ!

(۴)

آہ کہ کھو گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

پتہ کی بات

پا نی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!

فقر حجازی

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر　　جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا　　اللہ کی شانِ بے نیازی
کنجشک و حمام کیلئے موت　　ہے اس کا مقام شاہبازی
یہ فقرِ غیور جس نے پایا　　بے تیغ و سنان ہے مرد غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

جوانوں سے خطاب

ہندوستان کے نوجوانوں پر ایک جمود طاری ہے
حکیم ملت کی دوربین نگاہیں دیکھتی ہیں کہ یہ چیز
قوم و ملت کیلئے باعث ننگ بھی ہے اور تباہی بھی۔

شاعر مشرق نوجوانوں کی بے پناہ قوت سے
اچھی طرح واقف ہے۔ لیکن یہ ایک دبی ہوئی
چنگاری ہے۔ اسے ہوا دینے کی ضرورت ہے۔ یہ
شعلہ بن سکتی ہے۔ ایسا قیامت خیز جو آزادی
و ترقی کے تمام مخالف عناصر کو چشم زدن میں
خاک کر کے رکھ دیگی —— اور

اقبال اس دبی ہوئی چنگاری کو اپنے پیغام
بیداری و خود اعتمادی، درس عمل و جذبۂ جد و
جہد سے کس طرح ہوا دے رہا ہے ——

اس کا جواب یہ صفحات دیں گے!

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضےؓ سوزِ صدیقؓ دے

محبّت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

نوجوانوں کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی!

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں!
نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں!
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں!

اپنا مقام پیدا کر

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر!

شکوے

اگر جوانوں کی خودی بیدار ہو

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد!
ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے تو عالمِ آزاد!
موجوں کی تپش کیا ہے؟ فقط ذوقِ طلب ہے
پنہاں جو صدف میں ہے، وہ دولت ہے خداداد!
شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دَم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد!

آرزو

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں!

شبابِ بے داغ

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے' بے داغ' ضرب ہے کاری

خطاب بہ جوانانِ اسلام

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جسکا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہانداری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں الفقر فخری کا رہا شانِ امارت میں
"بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را"

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

تمنائے اقبال

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

محبّت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب!

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش
مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش!
تمدن تصوف شریعت کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام!
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی!

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اہل مدرسہ سے

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

تھا جہاں مدرسہ، شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقاہوں میں ہے فقط روباہی

اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ، مُلّا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللّٰہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

فقیہانِ حرم کی بے توفیقی

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق !
حلقۂ شوق میں وہ جراتِ اندیشہ کہاں
آہ ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق !
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق !

توحید

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علمِ کلام !

مصلحینِ مشرق سے

میں ہوں نومید تیرے ساقیانِ سامری فن سے
کہ بزمِ خاوراں میں لے کے آئے ساتگیں خالی!
نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں
پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی!

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا؟
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک!

خداوندان مکتب سے

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

احساسِ زیاں

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اے لاالٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ!

گلہ

تیری خدائی سے ہے میرے جنون کو گلہ
اپنے لئے لامکاں میرے لئے چار سو!

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

طعنِ اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

کر پہلے مجھ کو زندگیِ جاوداں عطا
پھر ذوقِ شوق دیکھ دلِ بیقرار کا

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر!
روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے؟
بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے؟
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم!
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے!

متاعِ بے بہا ہے دردوسوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی!
ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی!

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے
خداوند خدائی دردِ سر ہے
ولیکن بندگی! استغفر اللہ
یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں، نے خدا بیں، نے جہاں بیں
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا؟

ہنروران ہند

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار!
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار!
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار!
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

متفرقات

دل کی بیداری

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کرّاری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دِل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جبتک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

دانشِ فرنگ

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!

شالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی!

تیرا مقام

(۱)

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات! ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

(۲)

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے
رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے!

(۳)

فضا تری مہ و پروین سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

میرِ کارواں

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

آہِ سحر گاہی

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

آئینِ جواں مرداں

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ترا بحر پُر سکوں ہے ایہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابیٔ کنارہ!

مستیٔ کردار

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

داستانِ حرم

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہائت اس کی حسین ؓ ابتدا ہے اسمٰعیل!

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے !

یہ مصرع لکھدیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

عقل و دل

(۱)

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقلِ خداداد کی زد سے
عالم ہے غلام اس کے جلالِ ازلی کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے!

(۲)

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

مردِ خود آگاہ و محکوم

اس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز!
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور!

ہندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ملّتِ آدم

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم!
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم!

لا و اِلّا

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا اِلّا
پیامِ موت ہے جب لا ہوا الّا سے بیگانہ!
وہ ملّت روح جسکی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو ہوا لبریز اس ملّت کا پیمانہ!

مردانِ خدا

وہی ہے بندۂ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری!
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری و قبا پوشی و کلہ داری!
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

مردانِ جفاکش

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لئے تنگ
چیتے کا جگر چاہیئے شاہیں کا تجسّس
جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ!

رازِ حیات

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغ چمن کو

تسلیم و رضا کا مقصود

ہر شاخ سے یہ نکتہ پیچیدہ ہے پیدا
پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا!

ظلمت کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا
ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشو و نما کا!

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا!

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

قناعت نہ کر

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر
چمن اور بھی، آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اِسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں اور مکاں اور بھی ہیں

ہند میں اسلام

ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

بندۂ آزاد

آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مناجات!
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منوّر
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات!
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات!

تقدیر کی گتھی

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند!

تقدیر کا زندانی

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

تقدیر کے راز

راز ہے راز ہے تقدیرِ جہانِ تگ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
جوشِ کردار سے شمشیر سکندر کا طلوع
کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز
جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمہ گیر
سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

تن بہ تقدیر

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
"تن بہ تقدیر" ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو "ناخوب" بتدریج وہی "خوب" ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

زمانۂ حاضر کا انسان

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا!
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

خراب صحبت

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف!
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف!

استغنا

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا!

بلند نگاہی و شانِ استغنا

تو رہ نوردِ شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول!
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیٔ محفل نہ کر قبول!
صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول!
باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

خانقاہ

رمز و ایما اس زمانے کے لئے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

علم و تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں کمیاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ!

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ متاعِ گراں بہا اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نے غمِ افلاس

خود چراغ بن اپنا

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

ندرتِ فکر و عمل

ندرتِ فکر و عمل کیا شئے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شئے ہے؟ ملت کا شباب!
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارہ لعلِ ناب!

وہ اور یہ

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات!
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات!

اہلِ ایماں کی زندگی

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے!

جراُتِ رندانہ

میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جراُتِ رندانہ!

صاحبِ ایجاد

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

فرمانِ خدا

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

حق را بسجودے، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

وطن

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

وطنیت

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

فرنگی مدنیت

رعنائیٔ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات!
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاجات!
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت،
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات!
بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات!

اقبال کا ساقی نامہ

(اِدھر اُدھر سے انتخاب یہ مرصع ساقی نامہ بار بار پڑھنے کی چیز ہے)

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز!
وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات
وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات!
وہ مے جسمیں ہے سوز و سازِ ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

تمدن تصوف شریعت کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

عجم کے خیالات میں کھو گیا!
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا
خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضےٰ رضؓ سوزِ صدیقؓ دے

کوششِ پیہم کی جزا

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں ہے
آباد ہے ایک تازہ جہاں تیرے ہنر میں ہے
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنّت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

خونِ دل و جگر

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت "لہو ترنگ" ہے غافل! نہ "جل ترنگ"

زمانہ

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ جدید و قدیم!

جرأتِ رندانہ

بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللّٰہی!

مردِ بے حوصلہ

مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ
بندۂ حر کے لئے نشترِ تقدیر ہے نوش!

روحِ امم کی حیات

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب!

فغانِ صبحگاہی

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اللہ ھو میں

حال و مقام

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور ہے

عقل و دل

تیرے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
ترا دم گرمئ محفل نہیں ہے
گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

دل و نگاہ

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

کارِ خلیلاں

آذر کا پیشہ خارا تراشی
کارِ خلیلاں خارا گدازی!

زندگی؟

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

جہانِ نو اور عالمِ پیر

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ!

عشق

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

کبھی تنہائیِ کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق

عقل و عشق

پختہ ہوتی ہے، اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش، تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

یقین

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی
یقیں اللہ مستی خود گزینی
سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

دربارِ الٰہی میں

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر!

عشق بھی ہو حجاب میں حُسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر!

تو ہے محیطِ بیکراں، میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بیکنار کر!

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر!

اپنے ساقی سے

لا پھر ایک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی!
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملّا کے غلام اے ساقی!
عشق کی تیغِ جگردار اڑا لی کس نے؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

اسلاف کا جذبِ دروں

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنون کر!
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

ہوسِ شوکتِ دارائی

پہلے خوددار تو مانندِ سکندر ہولے
پھر جہاں میں ہوسِ شوکتِ دارائی کر

سرمایہ دارانہ تمدن

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہو

عمل

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یقیں

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

پہلوئے مومن، جلال و جمال

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گذر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

جاوداں ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل یہ سِرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

تفاوت

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوبکر نکلے!
ہوئے مدفونِ دریا، زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو بنکر گہر نکلے!
غبارِ رہگذر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکیسر گر نکلے!

فریب خوردہ شاہیں

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

خُلق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

حدیثِ بے خبراں

حدیثِ بے خبراں ہے، تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!

تمیزِ بندہ و آقا

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر! اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

بتانِ رنگ و بو

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبّت کی فراوانی!
بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

انتباہ!

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر!

مزدور سے خطاب

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

علامہ سرمایہ داروں کی مکر سامانیوں اور غریب مزدور کی سادگی کا کیا اچھا نقشہ پیش فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی!
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی!

ملّت کے ساتھ رابطہ

ملّت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

(۲)

آبرو باقی تری ملّت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

(۳)

فرد قائم ربط ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، اور بیرون دریا کچھ نہیں

رازِ دوامِ زندگی

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

زندگی

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی!
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی!
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سِرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی!

مغرب کا جمہوری نظام

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جسکے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری!
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو!

موت

(۱)

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

(۲)

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے!

(۳)

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں!

(۴)

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمانِ غیور
موت کیا شئے ہے؟ فقط عالمِ معنیٰ کا سفر

(۲)

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

مے مغرب

پیرِ مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اسمیں وہ کیفِ غم نہیں، مجھکو تو خانہ ساز دے

تقلید

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

عبادت

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنّا بھی چھوڑ دے

معمّہ

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے؟

راہِ عمل

یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے

چنگیزی

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

من کی دولت

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

سراغِ زندگی

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

ثبات

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں!

اہل مغرب کو تنبیہہ

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

مسلک قلندرانہ

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

تم اور تمھارے آبا

تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سریر کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں، کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟
خودکشی شیوہ تمھارا، وہ غیور و خوددار
تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پر نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

سلطنت

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ اِنَّ الْمُلُوکْ
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

امتحان

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی!

درسِ شبِ معراج

(۱)

رہِ یک گام ہے ہمت کیلئے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات!

(۲)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

لاتقنطو

لاتقنطو کا سبق اللہ نے ہم کو دیا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی و زوال کے باوجود اقبال ان کے مستقبل سے مایوس نہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کشتِ ویراں کو ذرا سی نمی مل گئی تو یہ لہلہا اٹھے گا۔ وہ جانتا ہے کہ برسے ہوئے بادلوں میں اب بھی ایسی بجلیاں پوشیدہ ہیں جو دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر سکتی ہیں:-

—(۱)—

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

—(۲)—

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن امید کی

(۳)

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اقبال کا ساقی

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی!

مرکز سے وابستگی

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی

اللہ کا فرمان

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

غلامی؟

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا!

تو

آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو، رہرو بھی، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

وائے نادانی! کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری!
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

غلاموں کی نماز

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملّت کی زندگی کا پیام

متاعِ امیر

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیّلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند!

یہودی و عرب

ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟

آزادوں کا بسیرا

گذر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کیلئے ذلّت ہے کارِ آشیاں بندی!

جمہوریت

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

انتہائے جلال

مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بیباک

سلہ سٹنڈل

ابلیس کا فرمان اپنے شاگردوں کے نام

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو!
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو!
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو!

آج اور کل

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے!
وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

موت اچھی؟

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

محنتِ پیہم

(۱)

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

(۲)

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم و کے

فیضانِ نظر

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی؟

جدت

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منوّر ہوں ترے نورِ سحر سے!
خورشید کرے کسبِ ضیا تیرے شرر سے
ظاہر تری تقدیر ہو سیمائے قمر سے!
دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے!

محنت پرواز

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دور نہیں ہے!

ذوق نظر

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

ضرب کلیمی

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

ہمّت بلند

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر!

نگاہ شوق

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی!
اسی نگاہ سے محکوم قوم کے فرزند
ہوئے جہاں میں سزاوارِ کارفرمائی!
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جبّاری
اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی!
نگاہِ شوق میسّر نہیں اگر تجھکو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی!

ذوق نظر

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

ضرب کلیمی

بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

ہمّت بلند

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر!

نگاہ شوق

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی!
اسی نگاہ سے محکوم قوم کے فرزند
ہوئے جہاں میں سزاوارِ کارفرمائی!
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جبّاری
اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی!
نگاہِ شوق میسّر نہیں اگر تجھکو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی!

ایک غزل

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

یہ جنّت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

ذرا سا تو دل ہے مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں، سزا چاہتا ہوں

غزل

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تمھارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی
کھنچے خود بخود جانبِ طور موسیٰؑ
کشش تیری اے شوقِ دیدار کیا تھی

دُعا

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

محروم تماشہ کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریّا کر
خودداریِ ساحل دے، آزادیِ دریا دے

بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورتِ مینا دے

احساس عنائت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

LIBRARY IQBAL ACADEMY, KARACHI.
1041
Book No. [redacted]

LIBRARY
IQBAL ACADEMY, KARACHI.
Book No. 1041

Iqbal Academy Pakistan
LAHORE
Call No. A ۱۰۶۶ط
اقخ - ۱
Acc. No. ۱۰۲۱
Title اقبال ریزی۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے افکار
Author اقبال ، سر محمد

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LIBRARY.
Acc. No.
LAHORE

00001041